آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ❊ لو تمہیں طور تسلّی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۱۹ جون سنہ ۱۹۲۰ء نمبر ۶

مطابق شوال سنہ ۱۳۳۸ھ

[illegible]

[illegible]

فہرست مضامین

معاہدہ ترکیہ اور مسلمانوں کا آیندہ رویہ ۱۹۳-۲۰۸

حقیقی نبی ۲۰۹-۲۱۶

Digitized by Khilafat Library

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل شاہی حکیم مولٰنا مولوی نورالدّین صاحب رضؓ کی مجرب ادویات

سرمہ لاثانی - کمزوری آنکھ - دھند - جالا - سرخی چشم - ضعفِ بصارت - آنسوؤں کا جاری رہنا ان امراض کا لاثانی سرمہ - **قیمت ۶ ماشہ عہ**

سرمہ برقی - کمزوری آنکھ - خارش - آنکھوں سے پانی کا آنا - دھند - **قیمت ۶ ماشہ عمہ**

مومیائی - بدن کی طاقت کے لئے اکسیر - تمام قوتوں کا مجموعہ کیسی ہی کمزوری ہو - اس کے استعمال سے رفع ہو جاتی ہے -

معجون مسکی بدن کی زردی - کمی خون - دل کا دھڑکنا - معدہ کی کمزوری - سانس کا پھولنا - ان بیماریوں کے لئے اکسیر ہے - **قیمت ۴ تولہ صہ**

حبّ جانا - تمام بدن کی کھوئی ہوئی طاقت کا واپس لانا انکا فرض عین ہے - کمی خون کو چند یوم میں پورا کر دینا انکا منصب ہے - تمام پٹھوں کی کمزوری کے لئے ان کے اندر برقی تماشا ہے - دماغ کی قوت میں بے مثل ہیں - نسیان کو دور کرنا انکے ہاتھ کا کھیل ہے - منگواؤ اور فائدہ اٹھاؤ - **۲۰ گولیاں عہ**

اٹھرا

کیا آپ پیارے بچے چاہتے ہیں - ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے سچی ہمدردی اور فائدہ خلق اللہ کے لئے اس نہایت عاقل اور بیدار مغز اور خیر خواہ ہر انسان حکیم الامّت مولٰنا مولوی نورالدین صاحب رضؓ شاہی حکیم کا وہ مجرّب المجرّب نسخہ پورے طور پر طیار کیا ہے جس سے کئی گھر اللہ تعالیٰ کے فضل سے بھرے ہوئے ہیں جو پیارے **بچوں** سے خالی تھے - وہ گھر ہیں جو **اسقاط حمل** کی وجہ سے یعنی **اٹھرا** کی بیماری کا نشانہ بن چکے تھے یا جن کی اولاد پیدا ہوتے ہی **داغ مفارقت** دیکر راہ دار البقا لے لیتے تھے یا جن کے حمل قبل از وقت ضائع ہو جایا کرتے تھے یا مردہ پیدا ہوتے تھے - والدین کے کلیجے **صدمے سہتے سہتے مایوس** اور نا امید ہو چکے تھے - محض خدا تعالیٰ کے فضل سے ان **تریاقی گولیوں** کے استعمال سے کئی گھر بامراد ہوئے اور ہو رہے ہیں - آپ بھی خدا پر بھروسہ رکھیں - اور **اکسیر جنین** کا استعمال کرائیں اور پیارے **بچوں** کی میٹھی میٹھی باتیں سنکر خدا کا شکر کریں - ان کے فوائد کے لحاظ سے قیمت بہت کم ہے تاکہ ہر ایک فائدہ اٹھائے - **قیمت فی تولہ عہ**

ملنے کا پتہ: - ناظم جان عبدالرحمٰن کاغانی - قادیان ضلع گورداسپور

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھُوَ النَّاصِرُ

معاہدہ ترکیہ

اور

مسلمانوں کا آیندہ رویہ

آج گیارہ رمضان المبارک مطابق ۳۰ - مئی سنہ ۱۹۲۰ء کو مجھے جناب مولوی عبد الباری صاحب فرنگی محلی کی طرف سے ایک خط ملا ہے - کہ یکم اور دو جون کو الہ آباد کے مقام پر ایک جلسۂ مشورت منعقد ہوگا - جس میں دولت علیہ عثمانیہ کے ساتھ شرائط صلح کے مسئلہ پر غور کیا جاویگا - اور آیندہ کے لئے طریق عمل تجویز کیا جاویگا - اور اس میں اپنے خیالات بیان کرنے کے لئے مولانا نے مجھے بھی دعوت دی ہے *

اگر میری شمولیت اِس جلسہ میں کسی طرح بھی نفع رسان ہو سکتی - اور مجھے امید ہوتی - کہ میرا بذات خود حاضر ہونا میرے اہل وطن اور میرے بھائیوں کے لئے کسی طرح بھی مفید ہو سکتا ہے - تو میں سو کام چھوڑ کر بھی اس اہم اور وسیع الاثر معاملہ میں اپنے خیالات ظاہر کرنے کے لئے حاضر ہو جاتا - مگر چونکہ عموماً دیکھا جاتا ہے کہ اس قسم کے جلسوں میں ایسے اشخاص کو نہیں

ذرہ بھر بھی اختلاف رائے ہو۔ بولنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔ اس لئے میرا بذات خود آنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔ مگر دوسری طرف چونکہ اپنے بھائیوں کی ہمدردی اور انکی خیر خواہی اور خدمت اسلام کا جوش مجھے اس بات پر بھی مجبور کرتا ہے کہ کوئی سُنے نہ سُنے۔ مَیں اپنا مشورہ اُن تک پہنچا دوں۔ مَیں اس تحریر کے ذریعہ اپنے خیالات سے اس موقعہ پر جمع ہونیوالے احباب کو آگاہ کرتا ہوں۔ اور چند معزز دوستوں کے ہاتھ اس تحریر کو ارسال کرتا ہوں کہ تا جن دوستوں کے دلوں پر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس تحریر کا کوئی اثر ہو۔ وہ زبانی بھی میرے قائم مقاموں سے اس میں درج شدہ مسائل پر تبادلۂ خیالات کر سکیں۔

اے احباب کرام! مَیں نے ستمبر گذشتہ کے اجتماع کے وقت تحریر کے ذریعہ آپ لوگوں کو توجہ دلائی تھی کہ دولت عالیہ عثمانیہ کے مستقبل کے متعلق جدوجہد کی بنیاد اس امر پر رکھنی چاہئیے۔ کہ سلطان ترکی کثیر حصۂ مسلمانان کے نزدیک خلیفہ ہیں اور باقی تمام مسلمان بھی بوجہ ان کے اسلامی بادشاہ ہونیکے ان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اس لئے انسے معاہدہ کرتے وقت تمام عالم کے مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھا جاوے۔ اور ان سے انہی اصول کے ماتحت معاملہ کیا جاوے۔ جن کے ماتحت دوسری مسیحی حکومتوں سے معاملہ کیا گیا ہے۔ اور مَیں نے بتایا تھا کہ اس طریق پر تمام وہ فرقے جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ قطع نظر اسکے کہ ان کا آپسمیں کیسا ہی اختلاف ہو۔ اس معاملہ میں اکٹھے ہو سکینگے۔ لیکن افسوس کہ اسوقت آپ لوگوں کو میرا وہ مشورہ پسند نہ آیا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ کو یہ بات کہنے کا موقعہ ملا کہ خلافت عثمانیہ کے متعلق مسلمانوں کی آواز ایک نہیں۔ اور اس لئے یہ کہنا کہ ترکوں کے متعلق تمام مسلمانوں کی ایک رائے ہے۔ درست نہیں۔

اگر میرا مشورہ اسوقت تسلیم کیا جاتا تو احمدیہ جماعت کو خلافت کے مسئلہ کے متعلق اپنے خیالات کے اظہار کی کوئی ضرورت نہ پیش آتی۔ اور وہ ترکوں کے لئے انصاف کا جائز طور پر مطالبہ کرنے میں اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو سکتی تھی۔ اگر اسوقت میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا۔ تو شیعہ اصحاب کو جو کروڑوں کی تعداد میں ہیں۔ علی الاعلان اس تحریک سے

اظہار ہمارت کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی - اور وہ بھی دوسرے بھائیوں کے ہمزبان ہوکر اِس مسئلہ کے متعلق اپنی ہمدردی کا اظہار کر سکتے تھے ؛

اگر اسوقت میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو عربوں کو اس وقت جبکہ حالات زمانہ سے متاثر ہوکر وہ پھر حکومت ترکیہ سے صلح کرنے پر آمادہ ہو رہے تھے - اور انکی ہمدردی کا جوش انکے دلوں میں موجزن تھا - یہ اعلان نہ کرنا پڑتا - کہ خلافت صرف قریش کے لئے مخصوص ہے - اور وہ باوجود مخالفت کے ترکوں کی ہمدردی میں اپنی آواز بلند کر سکتے تھے - کیونکہ پچھلے دنوں سے یورپ کی بعض حکومتوں سے ان کو بعض شکایات پیدا ہوگئی ہیں اور وہ ایک حد تک ترکوں سے صلح رکھنے پر تیار رہتے تھے ؛ اگر میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو عرب کے وہابی فرقہ کو بھی کھلے طور پر اسی مسئلہ [illegible]

اگر میرا مشورہ قبول کر لیا جاتا تو یورپ کے لوگوں کو اس بات پر ہنسی اُڑانے کا موقعہ نہ ملتا کہ مسلمان اپنے خلیفہ کی حفاظت کی اپیل عیسائی حکومتوں سے کرتے ہیں ؛

اور اگر اس کام کو تکمیل پر پُہنچانے کے متعلق جو بات میں نے لکھی تھی اسپر عمل کیا جاتا - تو یقیناً شرائط صلح موجودہ شرائط سے مختلف ہوتیں - وفود کا بھیجنا اس قدر معرض التوا میں ڈالا گیا کہ عمل کا وقت ہاتھ سے جاتا رہا - امریکہ کی طرف کوئی وفد نہیں بھیجا گیا - عراق شام - عرب اور قسطنطنیہ کی طرف وفد بھیجے جانے ضروری تھے - مگر اس کا کچھ خیال نہیں کیا گیا - فرانس اور اٹلی کی طرف مستقل وفدوں کی ضرورت تھی مگر اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی - جاپان بھی توجہ کا مستحق تھا - اسے بھی نظر انداز کیا گیا - انگلستان کی طرف وفد گیا - اور وہ بھی آخری وقت میں - ساری کوشش ہندوستان کی گورنمنٹ کو بُرا بھلا کہتے ہیں - یا ان لوگوں کو گالیاں دینے میں صرف کر دیگئی - جو گو ترکوں سے ہر طرح ہمدردی رکھتے تھے - مگر سلطان المعظم کو خلیفہ تسلیم نہیں کرتے تھے - مگر کیا گالیاں دینے سے کام ہوتے ہیں کام کام کرنے سے ہوتے ہیں ؛

اے احباب کرام ! آپ غور فرماویں کہ اسلام کو اسوقت کس چیز نے نقصان پُہنچایا ہے - اسلام کو نقصان پُہنچایا ہے - مسلمانوں کی غیر متقیانہ حالت نے - بُزدلی نے - بداخلاقی نے

کم ہمتی نے۔ منافقت نے یہ چیزیں ہیں کہ جن کے دُور کرنے سے اسلام پھر ترقی کر سکتا ہے۔ مگر اس تکلیف کے ایّام میں ان باتوں کی طرف کسقدر توجہ کی گئی ہے۔ آج مسلمان اس سے بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ جس قدر کہ آج سے پانچ سو سال پہلے تھے۔ مگر وہ اس وقت فاتح تھے۔ آج مفتوح ہیں۔ کیوں؟ صرف اسی لئے کہ اسوقت ان میں مذکورہ بالا باتیں نہ تھیں مگر آج ہیں۔ پھر ان باتوں کے ترک کرنے اور اخلاق حسنہ کے حصول کیلئے کیا کوشش کی گئی ہے۔ کیا اس مصیبت اور تکلیف کے زمانہ میں انابت الی اللہ سے کام لیا گیا ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ ایسے لوگوں نے جو شہرت اور عزّت کے دلدادہ ہیں۔ مسلمانوں کے اخلاق اور بھی بگاڑ دیئے ہیں۔ اور بجائے انمیں خشیۃ اللہ پیدا کرنے کے ان کو اور بھی زیادہ شوخ بنا دیا ہے۔ آج چاروں طرف مسلمانوں کی زبانوں پر گالیاں سُنی جاتی ہیں۔ وہ تالیاں بجاتے سیٹیاں مارتے اور اپنے مخالف خیالات والوں سے استہزاء کرنیکے لئے بندروں کی طرح ہزاروں قسم کی حرکات ناشائستہ کرتے ہیں۔ اور اسپر فخر کرتے ہیں کہ انھوں نے عظیم الشان خدمت اسلام کی کی ہے۔

اے نمائندگان اسلام! اسوقت جبکہ آپ نہایت سنجیدگی سے دولت علیہ عثمانیہ کے مستقبل پر غور کرنیکے لئے بیٹھے ہیں۔ اور آپکے دلوں میں غم اور فکر کا ہجوم ہے۔ اسوقت ہندوستان کے مختلف گوشوں میں ناکردہ گناہ بچّے اور بے قصور عورتیں اس شدّت گرما میں اس قصور میں پیاسے تڑپ رہے ہیں کہ ان کے والدین یا شوہر کیوں سلطان المعظم کی خلافت کے قائل نہیں۔ اور مسلمان کہنے والے لوگوں نے نہ معلوم کس کی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے اس پانی سے بھی ان کو روک دیا ہے۔ جس سے خدا تعالیٰ کافر سے کافر انسان کو بھی نہیں روکتا۔ اب آپ سوچیں کہ کیا ان کی آہیں اور ان کی چیخ و پکار خدا تعالیٰ کے عرش کو ہلا کر اسی بات کی درخواست کر رہی ہوگی۔ کہ ان ہم پر ظلم کرنیوالوں کے کام میں برکت دے۔ اور ان کی مُرادوں کو پورا کر۔ جبکہ کربلا اور نجف کے مقدّس میدانوں کی حفاظت کا سوال پیدا ہو رہا ہے۔ خود ہندوستان میں اس قسم کے نمونہ دکھائے جا رہے ہیں۔ جو یزید اور اس کے ساتھیوں نے دکھائے۔ محض اس اختلاف رائے پر کہ کیوں احمدی خلافت عثمانیہ کے قائل نہیں۔ ان کو

پانی سے روکا جاتا ہے۔ ان کو خرید و فروخت سے باز رکھا جاتا ہے۔ ان کے گھروں میں کام کرنے سے مہتروں کو باز رکھا جاتا ہے۔ اور انپر نماز ادا کرتے وقت کنکروں کی بارش کیجاتی ہے۔ کیا اس تنگی کے وقت میں اسی قسم کی اذابت سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل کو اپنی طرف کھینچنے کی سعی کرنی چاہیئے تھی۔ اور کیا اگر ان کے اس ظلم سے تنگ آ کر احمدی منافقت سے ان کے ہم خیال ہو جاویں (کیونکہ جبر سے دلوں کو تسلی نہیں ملا کرتی) تو کیا ایسے منافقوں کی امداد سے مسلمان کامیاب ہو جاوینگے۔ یہ وقت تو ایسا تھا۔ کہ مسلمانوں میں جرأت اور دلیری پیدا کی جاتی اور ان کو دلیر بنایا جاتا نہ کہ منافقت پر ان کو مجبور کیا جاتا۔ کیا ان جاہلوں کو کوئی اسقدر سمجھانے والا نہیں ہے۔ کہ جو لوگ ان سے ڈر کر اپنے صحیح خیالات کو چھوڑ دینگے۔ وہ ان سے زیادہ طاقتور لوگوں کے دباؤ سے کیا موقعہ ملنے پر ان کے مخالف نہ بن جاوینگے ٭

غرض مجھے افسوس ہے۔ کہ اس کرب و اندوہ کے زمانہ میں وہ صحیح رویہ اختیار نہیں کیا گیا جس سے کامیابی کی امید ہو سکتی تھی۔ لیکن اب جبکہ پھر آپ لوگ دوبارہ اس اہم مسئلہ پر غور کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ تو میں اخلاص اور محبت سے آپکے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔ شائد کسی سچے خیر خواہ اسلام کے دل پر میری بات اثر کرے۔ اور وہ خدمت اسلام کے لئے کمر ہمت باندھ کر کھڑا ہو جاوے ٭

سب سے پہلا سوال شرائط صلح کے متعلق یہ ہے۔ کہ آیا یہ درست ہیں۔ اور مطابق انصاف ہیں۔ اس سوال کے متعلق میرے نزدیک اب ہم کو زیادہ غور و فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سوال کا حل ہمیں کچھ نفع نہیں دے سکتا۔ مگر پھر بھی آیندہ نسلوں کو اپنے خیالات سے آگاہ کرنے کے لئے اور ان شرائط کے تیار کرنے والوں کو اپنی رائے سے واقف کرنے کے لئے میں اپنی رائے اس مختصر الفاظ میں۔ ظاہر کر دیتا ہوں۔ کہ ترکوں کے متعلق شرائط صلح کا فیصلہ کرتے وقت ان اصول کی پابندی نہیں کی گئی جن کی پابندی یورپ کے مدبر انصاف کے لئے ضروری قرار دے چکے ہیں ٭

عراق کی آبادی کو ایسے طور پر اپنی رائے کے اظہار کا موقعہ نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ جرمن کے بعض حصّوں کو ان سے باقاعدہ طور پر دریافت نہیں کیا گیا۔ کہ وہ اپنے لئے کس حکومت یا کس طریق حکومت کو پسند کرتے ہیں۔ شام کی آبادی کو باوجود اس کے صاف صاف کہدینے کے کہ وہ آزاد رہنا چاہتی ہے۔ فرانس کے زیر اقتدار کر دیا گیا ہے فلسطین کو جس کی آبادی کا ۵/۶ حصّہ مسلمان ہے۔ ایک یہودی نوآبادی قرار دیدیا گیا ہے حالانکہ یہود کی آبادی اس علاقہ میں ۱/۶ کے قریب ہے اور یہ آبادی بھی جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں لکھا ہے ۱۸۸۰ء سے ہوئی ہے۔ اور زیادہ تر ان پناہ گیروں کی ہے جنہوں نے ان ممالک سے آکر یہاں پناہ لی ہے۔ جن میں یہودیوں پر ظلم کرنا سیاست کا ایک بڑا جزو قرار دیا گیا ہے" (یعنی روس وغیرہ) انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا Consisting principally of refugees from countries where anti-semi-tism is an important element in policties.

پس ایسے علاقہ سے ترکوں کو دست بردار کرانا اور یہود کے سپرد کر دینا جس میں کثیر حصّہ آبادی مسلمان ہے۔ اور جو یہود کے لئے ایک ہی جائے پناہ تھی کیا اس جرم کے سبب ہے کہ انہوں نے کیوں یہود کو اس وقت پناہ دی۔ جبکہ مسیحی حکومتیں انکو اپنے گھروں اور اپنی جائدادوں سے بے دخل کر رہی تھیں؟

یہی حال لبنان کا ہے۔ اس کو فرانس کے زیر اقتدار دینا بالکل کوئی سبب نہیں رکھتا۔ اور آرمینیا کا آزاد کرنا بھی بے سبب ہے۔ کیونکہ آرمینیا کا جائے وقوع ایسے علاقہ میں ہے جس کے چاروں طرف ترک آباد ہیں۔ اور ان کی الگ حکومت بنانے سے یہ مطلب ہے کہ ترک قوم آپس میں اتحاد نہ کر سکے۔ اور روسی ترکستان کے لوگ کسی وقت بھی ایشیائے کوچک کے ترکوں سے مل نہ سکیں پھر آرمینیا کو جو بہت سے علاقہ دیئے گئے ہیں۔ ان میں کثیر حصّہ آبادی کا مسلمان ہیں۔ اور ایسی بعض ولایات کے دینے کی تجویز ہے۔ جہاں کی آبادی قریب

قریب ساری مسلمان ہے۔ حالانکہ یہ ثابت ہے۔ کہ آرمینین مسیحیوں نے نہایت بیدردی سے مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔ اور خود وزیر انگلستان اس بات کا انکار نہیں کر سکے۔ کہ آرمینین مسیحیوں نے بھی مسلمانوں پر سخت سے سخت مظالم کیئے ہیں۔ پس اگر ترکوں کو اس جرم میں اس علاقہ کی حکومت سے بے دخل کیا جاتا ہے۔ کہ وہ کردوں کو آرمینین مسیحیوں پر ظلم کرنے سے کیوں نہیں روک سکنے۔ تو آرمینین مسیحیوں کو جو خود مسلمانوں کو قتل کرنیکے جرم کے مرتکب ہیں مسلمانوں پر کیوں حکومت دیدیگئی ہے۔ اور اگر کوئی ایسے قواعد بنا دیئے گئے ہیں کہ جن کے ماتحت آرمینین مسیحی مسلمانوں پر ظلم نہیں کر سکینگے۔ تو کیوں انہی قواعد کے ماتحت آرمینیا کو ترکوں کے ماتحت نہیں رکھا گیا۔ تا مسلمان مسیحیوں پر ظلم نہ کر سکیں ؛

اسی طرح سمرنا کو یونان کے حوالہ کرنا بھی خلاف انصاف ہے۔ کیونکہ کسی ملک کے صرف ایک شہر میں کسی قوم کی کثرت آبادی اسے اس شہر کی حکومت کا حقدار نہیں بنا دیتی اور یہ اصول کبھی بھی سیاست میں تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ سوائے فساد کے کچھ نہیں نکلیگا۔ اور یقیناً چند سال بعد یونانی اس علاقہ میں فتنہ اندازی کر کے اور علاقہ بڑھانیکی فکر کرینگے ؛

تھریس جو ترکوں سے لیکر یونان کو دیا گیا ہے۔ اس کا سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ خود وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج اس بات کا اقرار کر چکے ہیں۔ کہ وہاں کی آبادی کا کثیر حصّہ ترک ہے۔ پھر اس ملک کو یونان کے سپرد کر دینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر مسٹر لائڈ جارج کے بعد کے بیان کو بھی۔ کہ وہاں کی اکثر آبادی غیر ترک ہے۔ مان لیا جاوے۔ تو بھی ہمیں کوئی شک نہیں کہ اس علاقہ کا نہایت کثیر حصّہ مسلمان ہے۔ پس اگر اس وجہ سے کہ وہاں کی اکثر آبادی ترک نہیں۔ اس علاقہ کو ترکوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا تھا۔ تو یونان کو تو کسی طرح اس علاقہ پر حق حکومت نہ تھا۔ اس صورت میں یہاں آزاد حکومت قائم کر دیجاتی۔ یونانیوں کو اس علاقہ کے سپرد کر دینے کا یہ نتیجہ نکلیگا۔ کہ وہ حسب عادت تھوڑے ہی عرصہ میں خفیہ اور ظاہر تدابیر سے وہاں کے لوگوں کو یا مسیحی ہونے پر مجبور کرینگے۔ یا ان پر سخت ظلم کر کر کے ان کو علاقوں سے نکال دینگے ؛

غرض میرے نزدیک اس معاہدہ کی کئی شرائط میں حقوق کا اتلاف ہوا ہے۔ اس لئے جسقدر جلد یورپ اس میں تبدیلی کرے۔ اسی قدر یہ بات اسکی شہرت اور اس کے اچھے نام کے قیام کا موجب ہوگی۔ لیکن سوال ہے۔ کہ اگر اتحادی حکومتیں ان شرائط کو بدلنے سے انکار کریں۔ تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ اور میرے نزدیک یہی اہم سوال ہے۔ کیونکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اتحادی ان شرائط کو نرم نہیں کرینگے ؛

اس سوال کے جواب میں کہ اگر اتحادی اس معاہدہ کو نرم نہ کریں۔ تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ مختلف آرائے پیش کی گئی ہیں۔ بعض نے ہجرت کی تجویز پیش کی ہے۔ بعض نے جہاد عام کو پسند کیا ہے۔ بعض نے قطع تعلقی کی پالیسی کو سراہا ہے۔ مگر میرے نزدیک ان سب تجاویز میں سے ایک تجویز بھی درست نہیں اور ناقابل عمل ہے ؛

ہندوستان کی سات کروڑ آبادی ہندوستان کو چھوڑ کر باہر نہیں جا سکتی اور نہ اس کے باہر جانیکی کوئی غرض اور فائدہ ہے۔ ہجرت اس وقت ضروری ہوتی ہے جبکہ اس علاقہ میں جہاں کوئی شخص رہتا ہے اس کو ان احکام شرعیہ کے بجالانیکی آزادی نہ ہو۔ جو افراد جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی حکم ایسا نہیں ہے۔ جو افراد مسلمانان سے تعلق رکھتا ہو۔ اور جس کا بجالانا اس ملک میں ناممکن ہو۔ اور پھر عملی پہلو اس تجویز کا لیا جاوے۔ تو بھی اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔ کس قدر آدمی ہیں۔ جو اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے تیار ہونگے۔ پس علاوہ اس کے کہ یہ تجویز شریعت کے خلاف ہوگی۔ اس کو پیش کرکے سوائے اپنی سُبکی کرانے اور لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونے کے اور کوئی نتیجہ نہ نکلیگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ وہ لوگ جو اس تحریک کے پیش کرنیوالے ہیں۔ وہ خود بھی اس تحریک پر عمل پیرا نہیں ہوئے ؛

دوسری تجویز جہاد کی ہے۔ جہاد اس ملک میں رہ کر جائز نہیں۔ اس ملک میں بسنے کے یہ معنی ہیں۔ کہ ہم برطانیہ کی حکومت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور ہمارا اس ملک میں رہنا بھی ایک عملی معاہدہ ہے۔ جو ہم حکومت برطانیہ سے کرتے ہیں پس اس ملک میں

رہتے ہوئے۔ کسی طرح بھی گورنمنٹ کا مقابلہ کرنا۔ ایک سخت غداری ہوگی۔ اور غدّاری اسلام میں جائز نہیں۔ ہمیں سب سے زیادہ اپنا مذہب عزیز ہونا چاہیئے۔ اگر ہم تمام دنیا کی حکومت کے لئے بھی اپنا مذہب قربان کردیتے ہیں۔ تو ہم گھاٹے میں رہینگے۔ پس حکومت برطانیہ کے زیر سایہ رہتے ہوئے۔ اس کی حفاظت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے۔ اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا یا اس کے متعلق تدابیر سوچنا ایک مسلمان کے لئے جو اپنے مذہب کی کچھ بھی قدر کرتا ہے۔ ناجائز ہے۔ اور اسلام کی عظمت کرنیوالا مسلم اس تجویز پر بھی عمل نہیں کرسکتا۔ اگر کہا جاوے۔ کہ باہر جاکر جہاد کریں۔ تو اوّل تو اس سوال کے ساتھ پھر ہجرت کا سوال آجاویگا۔ جسے میں پہلے ناجائز اور ناممکن ثابت کرچکا ہوں۔ دوم جہاد کیلئے یہ شرط ہے۔ کہ اس حکومت سے کیا جاوے۔ جو اسلام کے مٹانے کے لئے مسلمانوں پر حملہ کرتی ہے۔ اور ترکوں سے جنگ کرنے میں اتحادیوں نے ابتدا نہیں کی۔ نہ اس جنگ کی وجہ اسلام کو مٹانا تھی۔ پس جبتک یہ ثابت نہ کیا جاوے۔ کہ اس جنگ کی ابتدا اتحادیوں کی طرف سے ہوئی ہے۔ اور پھر یہ بھی کہ اتحادیوں نے ترکوں سے اس لئے جنگ کی تھی۔ کہ وہ ان کو جبراً مسیحی بنالیں۔ جہاد ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے جو برطانیہ کی حکومت کے نیچے رہتے ہیں۔ جائز نہیں ہوسکتا۔ تیسری تجویز یہ ہے۔ کہ گورنمنٹ سے قطع تعلق کیا جاوے۔ اس تجویز کے متعلق بھی میری یہ رائے ہے۔ کہ قطع تعلق بھی ایک قسم مقابلہ کی ہے۔ اور اس پالیسی پر عمل کرکے بھی ہندوستان میں امن قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ ضرور ہے۔ کہ جو لوگ اپنے کاموں سے علیحدہ ہوں۔ آہستہ آہستہ ان کی ضروریات دنیاوی ان کو تنگ کریں۔ اور وہ مجبور ہوکر ناجائز ذرائع اور جبر سے اپنے گذارے کا سامان پیدا کریں۔ پھر بیشتر اس کے کہ اس تجویز پر عمل کیا جاوے۔ یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ اس تجویز کی غرض کیا ہے۔ میرے نزدیک اس کی ایک ہی غرض ہوسکتی ہے۔ کہ گورنمنٹ برطانیہ پر اس ذریعہ سے دباؤ ڈالا جاوے۔ اور اس غلطی کی اصلاح کروائی جاوے۔ جو ترکوں کے معاہدہ صلح میں ہوئی ہے۔ سو اوّل تو اگر اس قطع تعلق کا کوئی اثر ہو بھی تو وہ

صرف ہندوستان پر ہوگا۔ اور ہوگا بھی سالہا سال کے بعد۔ کیونکہ اگر یہ مان بھی لیا جاوے کہ سب مسلمان اس بات پر آمادہ ہو جاوینگے۔ تو بھی اس امر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ان کو اس کام کے لئے آمادہ کرنے کے لئے سالہا سال کی جد و جہد اور تلقین کی ضرورت ہوگی۔ اور اسوقت تک کہ یہ تجویز عملی جامہ پہنیگی۔ معاہدہ ترکیہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہو چکا ہوگا۔ اور اس وقت اگر گورنمنٹ برطانیہ کی مرضی بھی ہوگی۔ تب بھی وہ فرانس اور یونان اور آرمینیا کو اپنے اپنے حصہ سے علیحدہ نہیں کر سکیگی۔ دوم اس بات کو بھی مدِّ نظر رکھنا چاہیئے۔ کہ اگر سب مسلمان اس تجویز پر عمل کرنے لگیں۔ تب بھی وہ گورنمنٹ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ کیونکہ اس ملک کی آبادی کا صرف چوتھا حصہ مسلمان ہے۔ ¾ ہندو ہیں۔ اور قریباً چالیس لاکھ مسیحی ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ کو اس کے خطاب واپس کر دیئے جاویں۔ تو اس سے اسکا کوئی نقصان نہیں۔ اور اگر اسکی ملازمت سے علیحدگی کیجاوے۔ تو ہندوستان کی ¾ آبادی انکی جگہیں پر کرنے کے لئے تیار ہے ؛

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بعض ہندو سربرآوردہ اسوقت مسلمانوں کے ساتھ شریک ہونیکے لئے آمادہ ہیں۔ لیکن اس تجویز کی مخالفت ہندوؤں میں بہت زیادہ ہے۔ اور یقیناً پانچ فیصدی ہندو بھی مسلمانوں کا ساتھ نہ دینگے۔ اگر مسلمان وکلاء اپنا کام چھوڑ دینگے۔ تو خود مسلمان اپنی دادرسی کے لئے ہندو وکلاء کی خدمات کو حاصل کرینگے۔ اور وہ شوق سے انکی مقدمات لینگے۔ اور اگر مسلمان جج استعفاء دیدینگے۔ تو ہندو امیدوار فوراً انکی جگہ لینے کے لئے آگے بڑھینگے۔ اگر فوجی مسلمان استعفاء دیدینگے۔ تو علاوہ اس کے کہ وہ فوجی قواعد کی خلاف ورزی کر کے سزا پاوینگے۔ انکا مستعفی ہو جانا ایسا موثر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہندو قوم اب فوجی خدمات کی اہمیت سے کافی طور پر واقف ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے قدیم ملک کو بلا حفاظت چھوڑنے پر کبھی رضامند نہ ہوگی۔ غرض ہر ملازمت کے لئے دوسری اقوام کے لوگ صرف ملیجا دینگے۔ بلکہ شوق سے آگے بڑھینگے۔ کیونکہ ملازمت تلاش کرنیوالوں کی ہمارے ملک میں کمی نہیں۔ ہے۔ ایسے لوگ مسلمانوں کے اس فیصلہ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھیں گے۔ اور انکی بیوقوفی پر دل ہی دل میں ہنسیں گے۔ پس

سوائے اس کے کہ اس فیصلہ سے لاکھوں مسلمان اپنی روزی سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ اور تعلیم سے محروم ہوجاویں۔ اور اپنے حقوق کو جو بوجہ مسلمانوں کے سرکاری ملازمتوں میں کم ہونیکے پہلے ہی تلف ہو رہے ہیں۔ اور زیادہ خطرہ میں ڈالدیں۔ اور کوئی نتیجہ نہیں نکلیگا ٭

مَیں اسجگہ یہ بات واضح کردینا چاہتا ہوں۔ کہ میری اس تحریر کا ہرگز یہ مطلب نہیں۔ کہ ہندو لیڈر جان بوجھکر مسلمانوں کو اس کام پر آمادہ کر رہے ہیں۔ تا وہ ان کے لئے میدان خالی چھوڑ دیں۔ مَیں ان لیڈروں کو جو اس امر میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کیلئے تیار ہیں۔ دیانتدار سمجھتا ہوں۔ اور جو کچھ مَیں کہتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ہندوؤں کا کثیر حصّہ اس تجویز میں مسلمانوں کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ اور علاوہ اس تجویز کے بذاتہٖ غلط ہونیکے یہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جبتک تمام ملک اس بات پر کاربند ہونیکے لئے تیار نہ ہوگا۔ کبھی بھی اس تجویز کا مفید نتیجہ نہیں نکلیگا۔ اگر ہندو بھی ساتھ ملجاویں۔ تب بھی ہندوستان کی ملکی ضروریات کے پورا کرنیکے لئے یوروپین اور کرسچن کافی ہیں۔ اور فوجی ضروریات کو یوروپین فوج کے علاوہ سکھ اور گورکھے پورا کرسکتے ہیں۔ اور یہ قومیں ہرگز اس تجویز میں مسلمانوں کا ساتھ نہ دینگی۔ پس اگر یہ تجویز فساد کا موجب نہ بھی ہو۔ جو میرے نزدیک یقیناً ہوگی۔ اور اگر تمام کے تمام مسلمان اس پر کاربند ہونیکے لئے تیار بھی ہوجاویں۔ جو یقیناً نہ ہونگے۔ تو بھی اس تجویز پر عمل کرکے حکومت برطانیہ پر دباؤ ڈالنے کی امید رکھنا ایک امر موہوم ہی نہیں۔ بلکہ یقینی طور پر غلط ہے۔ اور اسکے مقابلہ میں یہ بات یقینی ہے۔ کہ اس تجویز پر عمل کرکے مسلمانوں کی رہی سہی طاقت بھی بالکل ٹوٹ جاویگی۔ اور اس ایک ملک میں بھی جسمیں مسلمانوں کی ظاہری حالت کسقدر اچھی نظر آتی ہے۔ وہ کمزور اور ناطاقت ہوجاوینگے۔ اور اس سب تباہی کا الزام ایجیٹیشن پر ہوگا

غرض میرے نزدیک اس وقت تک جسقدر تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ وہ یا تو شریعت کے خلاف ہیں۔ یا ناقابل عمل۔ اور میرے نزدیک مسلمانوں کا فائدہ اسی میں ہے۔ اور اس زمانہ کے حالات کو مدّ نظر رکھکر مسلمانوں کے لئے صرف یہی راہ کھلا ہے۔ کہ وہ متفق اللسان ہوکر یہ بات اتحادی حکومتوں کے گوش گذار کردیں۔ کہ انہوں نے ترکوں سے شرائط صلح خود اپنے تجویز کردہ قواعد کے خلاف بنائی ہیں۔ اور یہ کہ مسلمان انکے اندر مسیحیّت کے تعصّب کا ہاتھ

پوشیدہ دیکھتے ہیں۔ اور کیپٹیلسٹس کے فوائد کی نگہداشت ان میں مدِ نظر رکھی گئی ہے۔ اور وہ انسے ان کے اس فیصلہ کے تبدیل کرنیکے لئے اپیل کرتے ہیں۔ اور اگر وہ اس فیصلہ کو تبدیل نہ کریں۔ تو اس فیصلہ کی اپیل وہ ان کی آیندہ نسلوں کی کانشنسوں سے کرتے ہوئے اور اپنے مذہب کے احکام کے ماتحت ہر قسم کے فساد اور شورش سے اجتناب کرتے ہوئے اس امر کے فیصلہ کو خدا پر چھوڑ دیں ٭

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ نہ ان تجاویز پر عمل کر کے جو اسوقت تک پیش کیجا چکی ہیں۔ اور نہ اس تجویز پر عمل کر کے جو اسوقت میں نے پیش کی ہے۔ ان شرائط میں تبدیلی کرائی جاسکتی ہے۔ جو اتحادیوں نے مقرر کی ہیں۔ لیکن اگر مسلمان اس تجویز پر عمل کرینگے۔ جو میں نے بتائی ہے۔ تو یقیناً چند سال کے بعد خود وہی لوگ جو اس وقت اس فیصلہ پر خوش ہیں۔ ورنہ انکی اولادیں ضرور ان شرائط کو پڑھکر شرم سے اپنی گردنیں نیچے جھکا لینگی۔ اور جس طرح اور بہت سے تاریخی معاملات میں خود اولادوں نے اپنے آباء کے فیصلوں کو حقارت اور نفرت سے دیکھا ہے۔ اس فیصلہ کو اتحادیوں کی آیندہ نسلیں افسوس اور حیرت کی نگہ سے دیکھینگی۔ لیکن اگر اس کے برخلاف شورش و فساد سے کام لیا گیا۔ تو دلائل کا پہلوان شرائط کے طے کرنیوالوں کے حق میں بھاری ہو جاویگا۔ اور خود مسلمانوں کی آیندہ نسلیں مسلمانوں کے اس طریق عمل کے بیان سے شرمائینگی۔ اور شورش پھیلانیوالا رویہ بجائے مفید ہونیکے ان شرائط کی کمزوری پر پردہ ڈالکر دنیا کی نظروں کو اور طرف پھیر دیگا ٭

مگر میرا مشورہ اسی حد تک محدود نہیں۔ جو لوگ کسی فیصل شدہ امر کو جو انکے فوائد کے لئے مضر ہو۔ اسی جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ مسلمان تو وہ ہے جو خدا تعالیٰ سے بھی اسکے فیصلہ کو تبدیل کروا لیتا ہے۔ اور گریہ و زاری اور دعاؤں سے اس کے رحم کو جذب کر لیتا ہے۔ پس میں صرف اسی کارروائی کا مشورہ نہ دونگا۔ بلکہ اس کے علاوہ میرے نزدیک مسلمانوں کو آیندہ کیلئے ایک عملی پروگرام بھی بنانا چاہیئے ٭

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ اس معاہدہ کی پابندی کا اثر اسلام پر کیا پڑیگا۔ اس سوال کا جواب دیتے وقت ایک چیز نمایاں طور پر ہمارے سامنے آجاتی ہے۔ اور وہ ان علاقوں کی نگہداشت ہے جنہیں مسلمان بستے ہیں۔ اور جنہیں یونان اور آرمینیا کے سپرد کردیا گیا ہے۔ یونانیوں اور آرمینیوں کا تعصّب اسلام سے اسقدر بڑھا ہوا ہے۔ کہ اسکے ثابت کرنیکے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ ان دونوں قوموں نے پچھلے دنوں میں مسلمانوں سے کیا ہے۔ اسکو مدِ نظر رکھتے ہوئے۔ یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے۔ کہ انکی حکومت میں باوجود یورپ کی تمام تسلیوں کے مسلمانوں کو امن نہ ہوگا۔ اسی طرح یورپ کے نئے تغیرات کے ماتحت اور کئی علاقوں میں بھی مسلمانوں کو امن نہ ہوگا۔ پس اس خطرہ سے ان ممالک کے بھائیوں کو بچانیکے لئے فوراً بلا تاخیر ایک عالمگیر لجنۂ اسلامیہ قائم ہو جانی چاہیئے۔ جس کا کام یہ ہو کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کی مذہبی حالت کی اطلاع رکھے۔ اور اس بات کی خبر رکھے۔ کہ دنیا کے کسی علاقہ میں مسلمانوں کو ظاہر و مخفی ذرائع سے اپنے مذہب کی تبدیلی کرنے یا بہ صورت دیگر ہلاک ہوجانے پر تو مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور اس غرض کے لئے دنیا کے تمام ممالک میں ایسے مبلّغ بھیجنے چاہئیں۔ جو ہر جگہ کے مسلمانوں کو اپنے مذہب پر ثابت قدمی سے پابند رہنے کی تلقین کریں۔ اور اس بات کا خیال رکھیں۔ کہ اگر کسی جگہ مسلمانوں کو جبراً تو اسلام سے نہیں ہٹایا جاتا۔ خواہ وہ جبر ظاہری اسباب سے ہو۔ خواہ مخفی اسباب سے۔ وہ اس کی جستجو رکھیں۔ اور جس وقت کوئی ایسی بات معلوم ہو۔ فوراً مرکز کو اس کی اطلاع دیں۔ تاکہ تمام متمدن دنیا کو اس سے اطلاع دیجاوے۔ کیونکہ ظالم کو کس قدر بھی طاقتور ہو۔ جب اسے معلوم ہو۔ کہ میرا ظلم دیکھنے والے موجود ہیں۔ تو اسے بہت کچھ دبنا پڑتا ہے۔ اور اپنے نام کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اس صورت میں بغیر کسی طاقت کے استعمال کے ان غریب مسلمانوں کے مذہب کی نگہداشت ہوسکیگی۔ جو متعصّب حکومتوں کے زیر حکومت رہتے ہیں۔ اور دنیا کو بھی ان خفیہ ریشہ دوانیوں سے آگاہی ہوتی رہیگی۔ جو اسلام کے مٹانے کے لئے بعض حکومتیں کر رہی ہیں۔ اور زیادہ عرصہ نہیں گذریگا۔ کہ یورپ کی نظروں میں مسلم ظالم مسلم مظلوم ثابت ہوجائیگا۔

یہ تجویز ایک نہایت اہم تجویز ہے۔ اور گو میں با تفصیل اسکے متعلق اسوقت اور اسجگہ نہیں لکھ سکا لیکن میں یہ جانتا ہوں۔ کہ ہر ایک شخص جو سنجیدگی سے اسپر غور کریگا۔ اسکی اہمیت کو محسوس کریگا۔ اور اس کے وسیع اثرات کا اندازہ لگانے کے قابل ہو جاویگا *

میں اسجگہ یہ بھی اعلان کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ میں نے بغیر اس امر کا انتظار کیئے کہ دوسرے لوگ اس امر کے متعلق کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کر دی ہے۔ اور مختلف ممالک میں دو دو آدمی اس غرض کے لئے بھیجنے کی تجویز کر دی ہے۔ اور میری جماعت کے جانبازوں کی ایک جماعت نے اپنے آپ کو اس غرض کیلئے وقف بھی کیا ہے۔ جو عنقریب سہولت راہ میسر آنے پر اپنے اپنے مفوضہ علاقہ میں چلے جاوینگے *

دوسری بات ہمیں یہ سوچنی چاہیئے۔ کہ اسلام پر اس قدر مصائب کی وجہ کیا ہے؟ آخر کیا سبب ہے۔ کہ خدا تعالیٰ نے اسلام کی دوستی کی بجائے۔ اس سے دشمنی شروع کر دی ہے۔ وہ خدا جو پہلے اسلام کے لئے اپنے قہری نشان ظاہر کیا کرتا تھا۔ اب کیوں اسکے لیئے اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر نہیں کرتا۔ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں نے تعلیم قرآن کو بھلا دیا ہے۔ اسلئے انپر آفت آئی ہے۔ انہوں نے خود حضرت مسیح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت دے رکھی ہے اسلئے خدا تعالیٰ نے بھی مسیحیوں کو انپر فضیلت دیدی۔ پس میں نصیحت کرتا ہوں۔ کہ بجائے اپنے اوقات کو بیفائدہ ضائع کرنیکے خدا تعالیٰ سے صلح کرو۔ اور اس کے فضل کی تلاش کرو۔ اور پھر یاد رکھو۔ کہ جیسا کہ میں نے ستمبر گذشتہ کے اجتماع کے موقعہ پر تحریر کیا تھا۔ اسوقت اسلام کی ترقی کے لئے ایک ہی راہ کھلا ہے۔ کہ ہم تبلیغ اسلام کے لئے کھڑے ہو جاویں یورپ کو ترکوں سے نفرت جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ انکی کسی بدانتظامی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ درحقیقت اس کی وجہ یورپ کا یہ خیال ہے۔ کہ اسلام تہذیب کا دشمن ہے اور وہ اسکو اپنی دنیا کا دشمن سمجھ کر جو انکو بہت عزیز ہے۔ مٹانا چاہتے ہیں۔ پس جبتک یورپکے دل سے۔ بلکہ تمام مسیحی دنیا کے دل سے یہ خیال دور نہ کیا جاویگا۔ اسوقت تک ہرگز مسلمانوں کے مصائب دور نہیں ہو سکتے۔ درحقیقت یہ ذلت جو اسوقت مسلمانوں کو پہنچ رہی ہے۔ اس قدر

زینت نہیں۔ جس قدر کہ ہماری ہے۔ قرآن کریم کے صریح احکام کو پس پشت ڈالکر مسلمان اس ذلت کو پہنچے ہیں۔ اور اب وہ اسی صورت میں اس سے نکل سکتے ہیں۔ کہ جب پچھلی غفلتوں کا کفارہ دیں۔ اور اپنے نفسوں کی اصلاح کرکے اس امانت کو پہنچائیں۔ جو سب دنیا کو پہنچانے کے لئے ان کے سپرد کیگئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کا فرض مقرر کیا تھا۔ کہ وہ اسلام کو دنیا کے سب کناروں تک پہنچا دیں۔ لیکن انہوں نے اس فرض کو اس طرح پس پشت ڈالدیا۔ کہ گویا ایک تنکے کے برابر بھی انکو اس کی پروا نہیں۔ تب خدا تعالیٰ نے ان کو بتا دیا۔ کہ اس فرض کا پورا کرنا خود ان کے لئے مفید تھا۔ نہ کہ خدا تعالیٰ کے لئے۔ اگر اسلام کو کوئی بھی نہ مانے۔ تب بھی اللہ تعالیٰ کی خدائی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ اگر کچھ فرق آتا ہے تو مسلم کے ایمان میں۔ اور اس کے امن میں۔ پس اب بھی ان مصائب سے بچنے کا یہی علاج ہے کہ دین اسلام کے غلبہ کے لئے مسلمان کھڑے ہو جاویں۔ حکومتیں اسلام کے پہلے نہیں آئیں۔ بلکہ بعد میں آئی ہیں۔ اب بھی اگر اسلام قائم ہو جاوے۔ حکومتیں خود بخود چلی آئینگی۔ خوب یاد رکھو۔ کہ مذہبی اتحاد سب سے مضبوط اتحاد ہے۔ جب دنیا کی قومیں اسلام کو قبول کرینگی۔ تو کیا چیز ہے۔ جو انکو اسلام کے آثار کے مٹانے پر مائل کریگی۔ وہ تو اسلامی آثار کے قیام کیلئے خود بے قرار ہونگی۔ پس کیوں اس جماعت کو جو اسلام کو مٹانے کے درپے ہے۔ اسلام کے حلقہ بگوشوں میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کیا اس لئے کہ آپ لوگوں کو خود اسلام کی خوبیوں پر یقین نہیں۔ اور اسکی قوت جذبہ کا تجربہ نہیں۔ اگر ایسا ہے۔ تو یورپ پر اسلام کی دشمنی کا کیا شکوہ ہے جب خود مسلمانوں کو اسکی خوبیوں پر یقین نہ ہو۔ تو دشمن اس کے حسن کا دلدادہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ یقین مانو۔ کہ اسلام اپنے اندر بہت بڑی قوت جاذبہ رکھتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ فیصلہ بھی کر چکا ہے۔ کہ اسے دنیا میں پھیلا دے۔ اور اس نے اس کے لئے اپنے مامور کو بھیج بھی دیا ہے۔ اب مایوسی کا وقت نہیں۔ کیونکہ مایوسی گو ہمیشہ ہی بری ہوتی ہے۔ مگر امید کا سورج جب چڑھ آتا ہے تو تب اس سے زیادہ مکروہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ پس اٹھو۔ اور اپنے جوشوں کے پانی کو یونہی زمین پر بہنے دینے کی بجائے۔ تبلیغ اسلام کی نہر کے اندر محدود کر دو۔ تا انکا کوئی فائدہ ہو۔ اور ان سے

کام لیا جاسکے۔ پانی جب سطح زمین پر بہ جاتا ہے۔ تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ لیکن وہی پانی جب نہر کی شکل میں بند کر دیا جاتا ہے۔ تو اس سے ہزاروں ایکڑ زمین سیراب کی جاسکتی ہے۔ اور آبشاریں بنا کر اس سے بجلی نکالی جاسکتی ہے۔ پس اے احباب کرام ملک کے جوش کو بیہودہ طور پر ضائع نہ ہونے دو۔ بلکہ اس سے اسلام کی ترقی کے لئے کام لو۔ اور پھر دیکھو۔ کہ خدا تعالیٰ کی نُصرت کس طرح نازل ہوتی۔ اور اسلام کے جلال کو دنیا پر ظاہر کرتی ہے۔ میری جماعت اس کام کو پہلے سے کر رہی ہے۔ اور اس کام کیلئے آدمی مہیّا کر سکتی ہے۔ پس اگر آپ لوگوں میں سے کوئی اسلام کے خیر خواہ ہوں۔ تو اس کام کے لئے بڑھیں۔ کہ اس سے زیادہ متبرک کام اسوقت کوئی نہیں۔ اور یہی سچّی اسلامی ہمدردی ہے۔ ورنہ جلسے کرنا۔ اور ریزولیوشن پاس کرنا۔ کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتا ؎

اسلام خدا کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اور قرآن اسکے مُنہ کا کلام ہے۔ پس یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ کمزور انسان اسکو مٹا سکے۔ خصوصاً وہ انسان جو ایک کمزور انسان کو خدا مان کر اسکے آگے سجدہ کرتا ہے۔ درحقیقت یہ سب وبال مسلمانوں کے اسلام کو پرے پھینکدینے کا ہی۔ اور افسوس ہے۔ کہ مَیں دیکھتا ہوں۔ کہ اب بھی وہ اس کی طرف متوجہ نظر نہیں آتے۔ کاش اب بھی مسلمان اس طرف متوجہ ہوں۔ اور ان انعامات میں شریک ہو جاویں۔ جو خدا تعالیٰ خادمان اسلام کو دینا چاہتا ہے۔ درحقیقت وہ اسی امر کا منتظر ہے۔ کہ کسقدر مسلمان اس خدمت میں شامل ہو کر اسکی رضا کو حاصل کرتے ہیں۔ ورنہ اسلام کی ترقی کا وقت آچکا ہی۔ اور خواہ ساری دنیا ملکر اسلام کو مٹانا چاہے۔ نہیں مٹا سکتی۔ یہ آخری صدمہ واقعہ میں آخری صدمہ ہے۔ اب اسلام کے بڑھنے کے دن شروع ہوتے ہیں۔ اور اب ہم دیکھینگے۔ کہ مسیحی کیونکر اسکی بڑھتی ہوئی رَو کو روکتے ہیں۔ خدا کی غیرت اس کے مامور کے ذریعہ سے ظاہر ہوچکی ہے۔ اور اب سب دنیا دیکھ سکیگی۔ کہ آیندہ اسلام مسیحیت کو کھانا شروع کر دیگا۔ اور دنیا کا آیندہ مذہب وہی مذہب ہوگا جو اسوقت سب سے کمزور مذہب سمجھا جاتا ہے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین ؎

خاکسار۔ مرزا محمود احمد امام جماعت احمدیہ قادیان دارالامان ۲۰۔ مئی ۱۹۲۰ء

حقیقی نبی

حضرت مسیح موعود کی اصطلاح میں

(از حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔ اے)

اُن لوگوں کے ہاتھ میں جو حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت کے منکر ہیں ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقی نبی ہونے سے انکار کیا ہے جس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ حضرت مسیح موعودؑ فی الواقع نبی نہ تھے۔ صرف استعارہ کے طور پر ان کا نام نبی رکھا گیا جیسا کہ ایک بہادر انسان کو شیر کہدیتے ہیں۔ حالانکہ وہ فی الواقع شیر نہیں ہوتا۔

اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے کہ آیا حضرت مسیح موعودؑ حقیقی معنوں میں نبی تھے یا نہیں؟ یہ دیکھنا ضروری ہے۔ کہ آپنے حقیقی کا لفظ کن معنوں میں استعمال کیا۔ اگر آپ کی تصنیفات کے دیکھنے سے ثابت ہو۔ کہ حقیقی نبی کی اصطلاح سے آپکی مراد ایک ایسا نبی ہے۔ جو واقعہ میں نبی ہو۔ تو ہمیں ماننا پڑیگا۔ کہ جب آپنے حقیقی نبی ہونے سے انکار کیا۔ تو آپکا یہ مطلب تھا۔ کہ آپ فی الواقعہ نبی نہیں لیکن اگر آپکی تصنیفات سے ثابت ہو کہ حقیقی کا لفظ آپ نے خاص معنوں میں استعمال کیا ہے اور آپ کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا۔ کہ جو حقیقی نبی نہ ہو وہ نبی ہی نہیں ہوتا۔ تو پھر یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ آپ فی الواقعہ نبی نہ تھے ٭

جب ہم آپکی تحریرات پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب آپکے سامنے دو وجود ہوں: ایک وہ ذات جو کسی چیز کا اصل منبع ہو۔ اور جسکی فیض اور برکت سے کوئی چیز حاصل ہوتی ہو۔ دوسرے وہ جو بذاتِ خود اصل سرچشمہ نہیں۔ بلکہ جو کچھ اسکو ملا ہے وہ کسی اور وجود کے فیض سے حاصل ہوا ہے۔ تو ایسی صورت میں آپ ہمیشہ مقدم الذکر کے لئے حقیقی اور مؤخر الذکر کے لئے ظلی۔ بروزی یا مجازی کا لفظ استعمال فرماتے تھے۔ اور چونکہ آپ کی نبوّت آپکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے حاصل ہوئی تھی۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو آپنے حقیقی نبوّت قرار

دیا۔ اور اپنی نبوّت کو ظلّی۔ بروزی۔ مجازی نبوّت قرار دیا ؛

اس بات کے ثبوت کے لئے کہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی تحریروں میں حقیقی کے لفظ سے فیض پہنچانیوالا وجود لیتے تھے یعنی وہ اصل وجود جس سے اور وجود فیض حاصل کرتے ہوں' حضرت اقدسؑ کی مندرجہ ذیل تحریر کافی ہے۔ براہین احمدیہ صفحہ ۲۴۷ کے حاشیہ درحاشیہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

"بعض افراد اُمّت محمدیہ کہ جو کمال عاجزی اور تذلل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی متابعت اختیار کرتے ہیں۔ اور خاکساری کے آستانہ پر پڑ کر بالکل اپنے نفس سے گئے گذرے ہوتے ہیں خدا اُنکو فانی اور ایک مصفّا شیشہ کی طرح پاکر اپنے رسول مقبول کی برکتیں اُنکے وجود بے نمود کے ذریعہ سے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو کچھ منجانب اللہ انکی تعریف کیجاتی ہے یا کچھ آثار اور برکات اور آیات اُنسے ظہور پذیر ہوتی ہیں حقیقت میں مرجع تمام ان تعریفوں کا اور مصدر کامل اُن تمام برکات کا رسول کریمؐ ہی ہوتا ہے اور حقیقی اور کامل طور پر وہ تعریفیں اُسی کے لائق ہوتی ہیں۔ اور وہی اُنکا مصداق اتم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ متبع سُنن آں سرور کائناتؐ کا اپنے غائیت اتباع کی جہت سے اُس شخص نورانی کیلئے کہ جو وجود باجود حضرت نبوی ہے مثل ظل کے ٹھہر جاتا ہے۔ اسلئے جو کچھ اُس شخص مقدس میں انوار الٰہیہ پیدا اور ہویدا ہیں۔ اُسکے اس ظل میں بھی نمایاں اور ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سایہ میں اُس تمام وضع اور انداز کا ظاہر ہونا کہ جو اُسکے اصل میں ہے ایک ایسا امر ہے۔ کہ جو کسی پر پوشیدہ نہیں۔ ہاں سایہ اپنی ذات میں قائم نہیں۔ اور حقیقی طور پر کوئی فضیلت اسمیں موجود نہیں۔ بلکہ جو کچھ اسمیں موجود ہے وہ اسکے شخص اصلی کی ایک تصویر ہے۔ جو اسمیں نمودار و نمایاں ہے...... اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بدرجہ غائیت کمالیت ظاہر ہوتی ہے۔ کیونکہ جس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہو سکتا ہے اور ہمیشہ روشن ہوتا ہے وہ ایسے چراغ سے بہتر ہے جس سے دوسرا چراغ روشن نہ ہو سکے" ؛

Digitized by Khilafat Library

اس اقتباس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؑ اصل فیض رسان وجود کے متعلق حقیقی کا لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ اور مستفیض وجود کی نسبت ظل کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً انکی اصطلاح کے رو سے جس چراغ سے دوسرا چراغ روشن کیا جاتا ہے۔ تو پہلے چراغ کو وہ حقیقی

چراغ قرار دیتے ہیں اور دوسرے چراغ کو وہ ظلی چراغ قرار دیتے ہیں ۔

اس بات کا ایک اور قطعی اور یقینی ثبوت کہ آپ حقیقی کے لفظ کو خاص ان معنوں میں استعمال فرماتے تھے اور آپ کی اصطلاح کے رُو سے حقیقی کا لفظ صرف فیض کے اصل منبع کو ظاہر کرتا ہے اور بس۔ یہ ہے کہ آپ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت حقیقی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ایسا ہی قرآن شریف کی نسبت بھی بعینہٖ یہی لفظ استعمال فرماتے ہیں۔ اور اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو حقیقی نبوّت قرار دیتے ہیں۔ تو قرآن شریف کا نام حقیقی الہام رکھتے ہیں۔ براہین احمدیہ صفحہ ۲۷۶ کے حاشیہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں، "الہام حقیقی سے یعنی قرآن شریف سے عقل کو سراسر فائدہ اور نفع پہنچتا ہے نہ زیان اور نقصان۔ اور عقل بذریعہ الہام حقیقی خطرات سے بچ جاتی ہے۔"

پھر آپ صفحہ ۲۷۱-۲۷۹ کے حاشیہ نمبر ۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں: "ظاہر ہے کہ سچے الہام کا تابع عقلی تحقیقاتوں سے رُک نہیں سکتا بلکہ حقائق اشیاء کو معقول طور پر دیکھنے کے لئے الہام سے مدد پاتا ہے اور الہام کی حمائت اور اُسکی روشنی کی برکت سے عقلی وجوہ میں کوئی دھوکا اسکو پیش نہیں آتا۔ اور نہ خطاکار عاقلوں کی طرح بیجا دلائل کے بنانیکی حاجت پڑتی ہے اور نہ کچھ تکلف کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ جو ٹھیک ٹھیک عقلمندی کا راہ ہے وہی اسکو نظر آجاتا ہے .... اس صورتمیں ظاہر ہے کہ عقل اور الہام میں کوئی جھگڑا نہیں۔ اور ایک دوسرے کا نقیض اور ضد نہیں اور نہ الہام حقیقی یعنی قرآن شریف عقلی ترقیات کے لئے سنگِ راہ ہے۔"

پھر آپ صفحہ ۲۸۵ پر حاشیہ نمبر ۱۱ میں لکھتے ہیں: "ہائے افسوس کیوں انکی آنکھیں نہیں کھلتیں .... کیوں انکے دل ایسے کجرو اور انکی سمجھیں ایسی اُلٹی ہوگئیں کہ جو اعتراض حقیقت میں انہی پر وارد ہوتا تھا وہ الہام حقیقی کے تابعین پر کرنے لگے۔"

حضرت اقدسؑ کا قرآن شریف کو الہام حقیقی کے نام سے یاد کرنا اس بات پر کافی سے زیادہ روشنی ڈالتا ہے۔ کہ آپنے حقیقی کا لفظ کن معنوں میں استعمال کیا۔ کیا حضرت مسیح موعودؑ کا اس سے یہ مطلب تھا کہ قرآن شریف کے بعد جو سلسلہ الہام جاری ہے وہ فی الواقع الہام نہیں بلکہ محض استعارہ کے طور اس کا نام الہام رکھا گیا۔ کیا آپکا یہ خیال تھا کہ جو خدا تعالیٰ کی وحی آپ پر نازل ہوتی ہے وہ حقیقت میں خدا کا کلام نہیں

بلکہ کچھ اور چیز ہے جس طرح ایک بہادر انسان کو مجازاً شیر کہدیتے ہیں۔ حالانکہ وہ حقیقت میں شیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح مسیح موعودؑ کی وحی کو مجازاً الہام کا نام دیا گیا ورنہ فی الواقعہ وہ خدا کا کلام نہیں۔ بلکہ انسان کا کلام ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ میں یہ گمان نہیں کر سکتا کہ کوئی غیر مبایع بھی خواہ وہ حضرت اقدسؑ سے بالکل روگردان ہو اور سلسلہ قبول الہامات میں بالکل کچا ہو۔ یہاں سے یہ نتیجہ نکالے کہ حضرت اقدسؑ کی قرآن کریم کو حقیقی الہام کہنے سے یہ مراد ہو۔ کہ آپکی وحی درحقیقت خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔ بلکہ انسان کا کلام ہے اور صرف استعارہ کے طور پر جس طرح ایک بہادر آدمی کو شیر کہا جاتا ہے اسی طرح ان کلمات کا نام خدا کا کلام رکھا گیا ورنہ حقیقت میں وہ خدا کا کلام نہیں۔ مگر غیر مبایع صاحبان حضرت اقدسؑ کے الہامات کی نسبت خواہ کچھ ہی خیال کریں حضرت مسیح موعودؑ خود اپنے الہامات کو درحقیقت خدا کا کلام اور فی الواقعہ وحی الٰہی یقین کرتے ہیں۔ اور آپکو اپنی وحی کے کلام الٰہی ہونے پر ایسا ہی ایمان تھا جیسا کہ قرآن شریف کی وحی پر۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:-

آنچہ من بشنوم ز وحی خدا	بخدا پاک دانمش ز خطا
ہمچو قرآں منزہ اش دانم	از خطاہا ہمیں است ایمانم
بخدا ہست ایں کلام مجید	از دہانِ خدائے پاک و وحید
آں یقینے کہ بود عیسےٰ را	بر کلامے کہ شد برو القا
واں یقین کلیم بر تورات	واں یقیں ہائے سید السادات
کم نیم زاں ہمہ بروئے یقین	ہر کہ گوید دروغ ہست لعین

یعنی جو خدا کی وحی میں سنتا ہوں۔ خدا کی قسم میں اسکو خطا سے پاک جانتا ہوں۔ میں اسکو قرآن شریف کی طرح خطاؤں سے پاک جانتا ہوں۔ میرا یہی ایمان ہے۔ خدا کی قسم یہ کلام مجید (یعنی وہ وحی جو مجھ پر نازل ہوتی ہے) خدائے پاک و یگانہ کے منہ کا کلام ہے جو یقین حضرت عیسیٰؑ کو اپنی وحی پر تھا اور جو یقین حضرت موسیٰؑ کو تورات پر تھا۔ اور جو یقین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید پر تھا۔ میں ان سب یقین کے رو سے کم نہیں ہوں۔ جو جھوٹ کہتا ہے وہ لعنتی ہے۔

پس جب آپنے قرآن شریف کا نام الہام حقیقی رکھا۔ تو اس سے آپکا ہرگز یہ مطلب تھا کہ آپکی وحی حقیقت

میں خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔ بلکہ یہ انسان کا کلام ہے۔ اور صرف مجازاً جیسے بہادر انسان کو شیر کہدیتے ہیں ایسا ہی اسکا نام الہام رکھا گیا۔ بلکہ جب آپنے قرآن شریف کا نام الہام حقیقی رکھا تو آپکا اس سے یہی مطلب تھا۔ کہ اب الہام کا انعام صرف قرآن شریف کی اتباع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلئے حقیقی الہام قرآن شریف ہے۔ اور بعد کی وحی ظلّی وحی ہے۔ گویا قرآن شریف کا الہام ایک چراغ ہے جس سے دوسرے چراغ روشن ہو سکتے ہیں ؛

پس جس طرح آپنے قرآن شریف کی وحی کو حقیقی وحی اور اپنی وحی کو ظلّی یا مجازی وحی قرار دیا۔ ٹھیک اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو آپنے حقیقی نبوت اور اپنی نبوت کو ظلّی یا مجازی یا غیر حقیقی نبوت قرار دیا اور جیسا کہ قرآن کے حقیقی الہام ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آپکی وحی درحقیقت وحی الٰہی نہیں ایسا ہی جب آپنے فرمایا کہ میری نبوت حقیقی نبوت نہیں۔ تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ آپ درحقیقت نبی نہیں۔ بلکہ اس سے صرف یہی بتلانا مقصود ہے کہ میری نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض روحانیت کا نتیجہ ہے اور بس ؛

پھر اس امر کو اور بھی زیادہ واضح کرنیکے لئے کہ حقیقی کا لفظ حضرت مسیح موعودؑ کی اصطلاح میں کیا معنی رکھتا ہے حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں سے ایک اور حوالہ پیش کرتا ہوں۔ آپ براہین احمدیہ کے حاشیہ نمبر ۱۱ صفحہ ۵۰۴-۵۰۳ میں اہل اللہ کے اخلاق کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔ ”دراصل بات یہ ہے کہ جو کچھ خوبی علمی یا عملی یا اخلاقی انسان سے صادر ہو سکتی ہے وہ صرف انسانی طاقتوں سے صادر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اصل موجب اسکے صدور کا فضل الٰہی ہے پس چونکہ یہ لوگ سب سے زیادہ مورد فضل الٰہی ہوتے ہیں۔ اسلئے خود خداوند کریم اپنے تفضلات نامتناہی سے تمام خوبیوں سے انکو متمتع کرتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ حقیقی طور پر بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نیک نہیں تمام اخلاق فاضلہ اور تمام نیکیاں اسی کے لئے مسلّم ہیں پھر جسقدر کوئی اپنے نفس و ارادت سے فانی ہو کر اس ذات خیر محض کا قرب حاصل کرتا ہے اسی قدر اخلاق الٰہیہ اسکے نفس پر منعکس ہوتے ہیں۔ پس بندہ کو جو خوبیاں اور سچی تہذیب حاصل ہوتی ہے وہ خدا ہی کے قرب سے حاصل ہوتی ہے اور ایسا ہی چاہیئے تھا۔ کیونکہ مخلوق فی الواقعہ کچھ چیز نہیں۔ سو اخلاق فاضلہ الٰہیہ کا انعکاس انہی کے دلوں پر ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ قرآن شریف کا کامل اتباع اختیار کرتے ہیں “

اسجگہ بھی حضرت اقدسؑ نے حقیقی کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے جو میں اوپر بیان کر چکا ہوں یعنی مبدء فیض کے متعلق حقیقی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور فیض حاصل کرنیوالوں کی نسبت انعکاس

کا لفظ استعمال کیا ہے اور فرمایا کہ حقیقی طور پر نیک صرف خدا ہے۔ پس کیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل اللہ درحقیقت نیک نہیں ہوتے۔ کیا اس بات سے کوئی شخص انکار کر سکتا ہے کہ انبیاء اور اہل اللہ سچے معنوں میں اور فی الواقعہ نیک ہوتے ہیں۔ ہاں انکی نیکی ظلی نیکی ہے۔ کیونکہ انہوں نے یہ نیکی خدا کے قرب سے حاصل کی۔ پس جیسا اللہ تعالیٰ کے حقیقی طور پر نیک ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء اور صلحاء فی الواقعہ نیک نہیں ہوتے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نبی ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مسیح موعودؑ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے نبوت حاصل کی ہے۔ وہ فی الواقعہ نبی نہیں ہیں۔

یہ کہ حقیقی کا لفظ حضرت مسیح موعودؑ کی اصطلاح میں کیا معنی رکھتا ہے۔ اسکی تشریح ایک اور مقام سے نہایت ہی واضح طور پر ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اسکے بعد بھی لفظ حقیقی کے ان معنوں سے انکار کرے جن معنوں میں حضرت مسیح موعودؑ نے اس لفظ کو استعمال کیا ہے۔ تو اسکے لئے ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ جو حوالہ میں نقل کرتا ہوں۔ وہ نہایت ہی کھلا ہے اور اسکے بعد کوئی نزاع باقی نہیں رہتی۔ آپ سرمہ چشم آریہ کے صفحہ ۱۶۸-۱۶۹ پر حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔ "اللہ تعالیٰ نے مقام جمع کے لحاظ سے کئی نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے رکھدیئے ہیں جو خاص اسکی صفتیں ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ نہایت تعریف کیا گیا۔ سو یہ غایت درجہ کی تعریف حقیقی طور پر خدا تعالیٰ کی شان کے لائق ہے۔ مگر ظلی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نور (جو دنیا کو روشن کرتا ہے) اور رحمت (جس نے عالم کو زوال سے بچایا ہوا ہے) آیا ہے اور رؤف اور رحیم خدا تعالیٰ کے نام ہیں۔"

اس جگہ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ حقیقی محمد اللہ تعالیٰ ہے۔ ایسا ہی حقیقی نور اور حقیقی رحمت اور حقیقی رؤف و رحیم اللہ تعالیٰ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی محمد اور حقیقی نور اور حقیقی رحمت اور حقیقی رؤف اور حقیقی رحیم نہیں ہیں بلکہ ظلی محمد وغیرہ ہیں۔ پس کیا اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہیئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقعہ میں (نعوذ باللہ) محمد نہیں تھے۔ اور کہ وہ درحقیقت نور اور رحمت اور رؤف و رحیم نہ تھے۔ پس اگر حقیقی محمد نہ ہونے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فی الواقع اور سچے معنوں میں محمد ہیں تو حضرت مسیح موعودؑ بھی حقیقی نبی نہ ہونیکے باوجود سچے معنوں میں نبی ہیں۔ کیونکہ دونو صورتوں میں حقیقی کا لفظ ایک ہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ حقیقی وجود کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ہر نسبت اور ہر جہت سے حقیقی ہو، بلکہ یہ ایک نسبتی لفظ ہے اور ممکن ہے کہ کسی اور جہت سے ایک حقیقی وجود ظلّی وجود بھی ہو اور یہی حال ظلّی وجود کا ہے کہ وہ بھی کسی جہت سے حقیقی ہو سکتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ کے مقابلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ حسنہ ظلّی پہلو کا رنگ رکھتی ہیں۔ لیکن اُمّتِ محمدیہ کے مقابلہ میں آپکا وجود کمالات کے لحاظ سے حقیقی وجود کہلائیگا ؛

پس یہ امر بپایۂ ثبوت پہنچ گیا کہ جب حضرت مسیح موعودؑ نے اپنی نسبت حقیقی نبی کے لفظ کے استعمال سے انکار کیا ہے تو اس کے صرف یہی معنی ہیں کہ آپکو نبوّت کا انعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض سے ملا ہے اور اسلیئے وہ حقیقی نبی ہیں اور آپ ظلّی نبی ہیں اور آپنے حقیقی کے مقابل میں ظلّی کا لفظ بھی رکھا ہے اور مجازی کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔ اور ان لفظوں کو آپنے ایک ہی معنوں میں استعمال فرمایا کیونکہ ان لفظوں کو آپنے ایک ہی لفظ کے مقابل میں رکھا ہے۔ جہاں آپنے حقیقی کے مقابل میں عام اصطلاح کے مطابق مجاز کا لفظ رکھا ہے۔ وہاں مجازی سے بھی آپکی مراد ظلّی ہی ہے۔ کیونکہ ایک جگہ حقیقی کے مقابل میں ظلّی کا لفظ رکھکر اور دوسری جگہ مجاز کا لفظ رکھکر آپنے ثابت کر دیا کہ آپ ان دونو لفظوں کو ایک ہی معنوں میں استعمال فرماتے ہیں اور حقیقی کے مقابل میں ظل کا لفظ رکھکر اس بات کا ثبوت دیدیا کہ حقیقی سے آپکی مراد وہ وجود ہے جس سے فیض حاصل کی جاتی ہے۔ اور جو فیض کا سرچشمہ ہے ؛

آخر میں مَیں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ حقیقی کی اصطلاح کے جو معنی اس عاجز نے حضرت مسیح موعودؑ کی تحریروں سے اخذ کیئے ہیں حضرت مسیح موعودؑ خود بھی حقیقی نبی کے یہی معنی کھلے الفاظ میں فرماتے ہیں جس سے خاکسار کی تشریح کی تصدیق ہوتی ہے۔ آپ انجام آتھم صفحہ ۲۷، ۲۸ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :-

"ومن قال بعد رسولنا وسیدنا انی نبی او رسول علی وجہ الحقیقۃ والافتراء وترک القرآن واحکام الشریعۃ الغراء فھو کافر کذاب۔ غرض ہمارا مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوّت کا دعویٰ کرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن فیض سے اپنے تئیں الگ کر کے اور اس پاک سرچشمہ سے جدا ہو کر آپ ہی براہ راست نبی اللہ بننا چاہتا ہے تو وہ ملحد بے دین ہے۔ اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائیگا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا

Digitized by Khilafat Library

کریگا۔ اور احکام میں کچھ تغیر و تبدّل کر دیگا۔ پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذّاب کا بھائی ہے۔ اور اسکے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں۔ ایسے خبیث کی نسبت کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کو مانتا ہے"۔

اسجگہ حضرت مسیح موعودؑ حقیقی نبوّت کا دعویٰ کرنیکی خود تشریح فرماتے ہیں کہ وہ اپنے تئیں ظلّی نبی قرار نہیں دیتا۔ پس حقیقی نبی ظلّی نبی کے مقابل میں ہے یعنی حقیقی نبی وہ ہے جس کی فیض سے اور لوگ نبوّت کا انعام حاصل کریں اور ظلّی نبی وہ ہے جو حقیقی نبی کے فیض سے نبوّت کا انعام پاتا ہے پس جہاں کہیں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ فرمایا ہے کہ میں حقیقی نبی نہیں ہوں تو اسکا یہی مطلب ہے کہ میں ظلّی نبی ہوں اور دوسری اصطلاح جو حقیقی کے مقابل میں استعمال کیجاتی ہے وہ مجازی کا لفظ ہے اسلئے آپ نے حقیقی کے مقابل میں مجازی کا لفظ بھی استعمال فرمایا ہے اور مجازی کے معنی وہی ہیں جو حقیقی کے مقابل میں ہیں۔ اور حضرت اقدسؑ خود حقیقی کا لفظ اُس وجود کی نسبت استعمال فرماتے ہیں جو فیض کا سرچشمہ ہے۔ اس لئے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اقدسؑ حقیقی نبی ہونے سے اسلئے انکار کرتے ہیں کہ آپ حقیقی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے ہیں جیساکہ آپؑ قرآن شریف کو حقیقی الہام قرار دیتے ہیں۔ پس جیسا قرآن شریف کے حقیقی الہام ہونے سے آپؑ کا الہام بے حقیقت نہیں ٹھہرتا۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی نبی ہونے سے آپ کی نبوّت بے حقیقت نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ آپ صرف اس بات کو واضح کرنا چاہتے ہیں کہ آپ کی نبوّت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض سے ہے یعنی آپ ظلّی نبی ہیں۔ ظلّی نبی۔ بروزی نبی۔ مجازی نبی۔ ان سب اصطلاحات کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور ان اصطلاحات کے ذریعہ آپ نے لوگوں کو اس بات پر متنبہ کیا ہے کہ آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض سے نبوّت ملی ہے اور حقیقی نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حقیقی نبی کے لفظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ نعوذ باللہ واقعہ میں نبی نہ تھے ایک ظلم ہے۔ ایک طرف آپؑ نبوّت کا کھلے الفاظ میں دعویٰ فرماتے ہیں دوسری طرف لفظ حقیقی کا مفہوم خود اُنکی تحریرات میں موجود ہے جیساکہ اوپر بیان ہوا ہے اور پھر نہ آپ صرف نبوّت و رسالت کا خود دعویٰ کرتے ہیں بلکہ اللہ تعالےٰ آپکو بار بار نبی اور رسول کے نام سے پکارتا ہے تو پھر اس صورت میں یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی نبوّت ایک بے حقیقت چیز ہے ایک کھلی سچائی کا انکار ہے ص

ص کیا حضرت مسیح موعودؑ نے یہ نہیں لکھا "حقیقی محمد اللہ تعالیٰ ہے"۔ پس کیا تم اس سے یہ نتیجہ نکالو گے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

ریویو

نمازِ احمدی یہ ایک پنجابی نظم کی کتاب ہے جسے مولوی نجم الدین صاحب مرحوم ساکن شادیوال نے تصنیف کیا تھا۔ مولوی عنایت اللہ تاجر کتب قادیان نے اسے ۲۰×۲۶ کے سائز پر چھپوایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیحؓ اوّل نے اس کتاب کو قدر کی نظر سے دیکھا تھا۔ اس میں نہ صرف نماز کا پنجابی نظم میں ترجمہ کیا گیا تھا بلکہ تصدیق المسیح کے مضمون پر بھی اشعار کہے گئے ہیں۔ پنجابی نظم سے دلچسپی رکھنے والے منگوا کر فائدہ اُٹھائیں۔ قیمت ۵/ - اس کتاب کے علاوہ مولوی عنایت اللہ نے اور بھی کئی چھوٹے چھوٹے رسالہ اور ٹریکٹ چھپوائے ہیں۔ مثلاً **تحفہ قادیان** جو بعض نظموں کا مجموعہ ہے قیمت ۲/ - **سی حرفی** مصنّفہ میاں ہدایت اللہ احمدی جو ایک مشہور شاعر ہیں قیمت ۲/ - **گلشن احمدیہ** بعض نظموں کا مجموعہ ہے قیمت ۔ **باراں ماہ احمدی** جس میں علاوہ بارہ ماہ احمدی پر پنجابی نظم کے دو چار اُردو نظمیں بھی ہیں قیمت ایک پیسہ ؎

معذرت

اس دفعہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے پورے صفحات کا رسالہ شائع نہیں ہو سکا۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ نمبر میں اس کمی کو پورا کیا جاوے گا ؎

منیجر ریویو

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۱۷۹

لال شربت   لال شربت   لال شربت

بچوں اور پرسوتی کے لئے نہایت طاقت بخش دوا ہے۔ قیمت فی شیشی ۱۲ؔ محصولڈاک ۶ؔ دیکھئے محترمہ ش۔ م۔ صاحبہ بنت مجاہد حسین صاحب ضلعدار نہر اخبار تہذیب نسواں مورخہ ۱۲۔ جولائی ۱۹۱۳ء میں کیا لکھتی ہیں۔ پیاری بہن عبازی بیگم صاحبہ تسلیم۔ کل کے پرچہ اخبار تہذیب سے آپکا استفسار معلوم ہوا۔ گو اشتہاری دنیا میں قدم رکھتے اور اشتہاری ادویات کے استعمال کرنے سے بھی سخت متنفر تھی اور میں ہمیشہ سے انکو نقصان مال اور صحت کا زوال بر عکس بہ نام زندگی کافور خیال کرتی تھی۔ مگر اس سال شربت نے واقعی لال رنگ کر کے لال و لال کر دیا۔ میں آپ بیتی سناتی ہوں۔ جو تازہ اور حال کا مشاہدہ ہے۔ برخورداری نجم النساء بیگم جس کی عمر اب پورے دو سال کی ہے عرصہ تین ماہ سے نصیب اعداء ایسی لاغر ہو گئی کہ کوئی اسکے دشمنوں کا فر خلش۔ اور پروالیوں کا سایہ اور کوئی سوکھا بیر بتانے لگیں پرانے خیالات کی بزرگواروں نے گنڈہ تعویذ حاضرات میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا بعض ضعیف الاعتقاد بہنیں اس معصوم بچی کے سایہ سے حذر مارنے لگیں۔ میں چونکہ بھوت پریت کی قائل گنڈے تعویذ کی معتقد کبھی ہوئی اور نہ ہوں آخر کار ڈاکٹر ایس کے برمن صاحب کا لال شربت مایوسی میں استعمال کرایا جسکے فوری اثر نے دن بدن برقی اثر کا نمایاں کرشمہ دکھایا بہ افضال الٰہی اب عزیزہ اپنی پوری طاقت اور اصلی حالت پر تین ہفتے ہی کے استعمال سے پہنچ گئی گویا ایس کے برمن صاحب کا شربت بھوت سایہ پرچھاواں کے دور کرنے کیلئے مجرب تعویذ اور سوکھے بیر کیلئے سریع التاثیر نسخہ ہے میں نے قصد مصمم کر لیا ہے کہ متواتر بارہ سال تک بلاناغہ شربت استعمال کراؤنگی اسلئے اپنی مکرم بہن کے پریشانیوں کے دور کرنے کے لئے ترغیب دیتی ہوں کہ وہ بھی برخورداری عطیہ بانو بیگم کو کم از کم دو شیشیاں ضرور پلائیں اور قدرت الٰہی مشاہدہ کرائیں اور نتیجہ سے اطلاع بخشیں۔ راقمہ ش۔ م۔ بنت مجاہد حسین ضلعدار نہر

Digitized by Khilafat Library

ڈاکٹر ایس کے برمن نمبر ۵ تاراچند دت اسٹریٹ کلکتہ

(مطبع میگزین قادیان میں باہتمام شیخ محمد نصیب صاحب پرنٹر و پبلشر چھپکر صدر انجمن احمدیہ کے لئے شائع ہوا)